(۶)

خطبۂ استقبالیہ

اجلاس کل ہند انجمن ترقی اردو کانفرنس

کان پور

۴، ۵ فروری سنہ ۱۹۶۱ء

از

ایس۔ ایم۔ بشیر بار۔ایٹ لا۔ بی کام (لندن) ایف۔آر۔ای۔ایس
صدر مجلس استقبالیہ

خطبہ استقبالیہ

جناب عزت مآب گورنر صاحب - جناب صدر
اُردو نواز خواتین و معزز حاضرین جلسہ!

مجھے بیحد مسرت ہے کہ میں کل ہند اُردو کانفرنس کے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے آج ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے سینکڑوں نمائندگان اور اس تاریخی اجتماع کے معزز حاضرین کو خوش آمدید کہنے کے لئے آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔ یہ میری بڑی خوش نصیبی ہے کہ مجھے یہ موقع نصیب ہوا ہم آپ کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں۔

یاد رکھیے کہ اس غیر معمولی موقعہ پر دل و دماغ آپکے خیر مقدم کے لیے جن تاثرات کی ترجمانی کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے میں الفاظ میں تہی دامنی محسوس کرتا ہوں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ ایک کاروباری شخص کی جانب سے الفاظ کی کمی کو عقیدت اور پُرخلوص جذبہ کی کمی پر محمول نہ فرمائیں گے۔ غالب کا یہ شعر میرے دلی جذبات کا صحیح ترجمان ہے ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

معزز حاضرین!

آزادی کے بعد انجمن ترقی اُردو ہند کی پہلی کل ہند کانفرنس ۱۹۵۱ء میں دہلی میں ہوئی تھی۔ آج تین سال بعد ہندوستان کے اس مشہور صنعتی اور کاروباری شہر کانپور میں انجمن کی دوسری کل ہند کانفرنس کا انعقاد ہو رہا ہے آج جس شہر میں میں آپ کا خیر مقدم کر رہا ہوں یہ بڑا قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ اس شہر میں فرنگیوں سے لوہا لینے کی داستانیں آپ نے سنی ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ۱۸۵۷ء میں ہمارے نوجوانوں نے ہنستے کھیلتے انگریزوں کی گولیاں سینوں پر روکیں اور اپنے خون سے ہندوستان کی آزادی کی جد و جہد کی عظیم الشان اور عالیشان عمارت کی بنیادیں مستحکم کر کے تاریخ میں اپنے لئے ایک جگہ چھوڑ گئے۔ میں امید کرتا ہوں کہ کانپور کی یہ انقلابی خصوصیت اُردو کے مسئلہ میں بھی ایک انقلابی صورت پیدا کر کے اس کی بنیاد کو اور مستحکم کر دے گی۔

حضرات!

جب کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ ہو گیا اور اخباروں میں خبریں آنے لگیں تو ہمارے دفتر میں خطوں کی آمد شروع ہو گئی۔ کوئی آسام کی گھاٹیوں سے یہ لکھتا کہ وہ کانفرنس میں شرکت کا متمنی ہے تو کوئی کشمیر کی وادیوں سے اپنی شرکت کی خواہش کا اظہار کرتا۔ سواحل مشرق و مغرب سے شرکا کے اسمائے گرامی پہونچنے لگے اور وادی گنگ و جمن کے بسنے والوں نے اپنی تشریف آوری کی اطلاع ہمیں دینا شروع کی۔ ہندوستان کی کون سی ریاست ہے جہاں سے ہمارے پاس خطوط نہ آئے ہوں۔ جہاں سے ہماری نمائش کے لئے اُردو اخبارات، رسائل، جرائد اور کتابیں نہ پہونچی ہوں۔ کیا اب بھی اس کے بتانے یا دلانے کی ضرورت ہے کہ اُردو ہندوستان بھر میں بولی، لکھی، پڑھی، سمجھی اور استعمال کی جانے والی زبان ہے۔ یہ وہی گنگا جمنی زبان اُردو ہے جو اس سرزمین کی صدا بہار پیداوار ہے جسے گنگا، جمنا اور سرسوتی کی ندیوں نے سیراب کیا۔

معزز حاضرین!

اُردو زبان اور کل ہند اُردو کانفرنس کے اغراض و مقاصد کے متعلق میں آپ سے کیا کہوں اور اس موضوع پر آپ کے سامنے اپنے خیالات کس طرح پیش کروں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ زبان اُردو کی حیثیت ہندوستان کے دستور میں ملک کی دیگر زبانوں کے ساتھ تسلیم ہو جانے کے بعد اب یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ ہونا چاہیئے کہ اُردو زبان کو ان لوگوں سے دوبارہ منوایا جائے جنہوں نے ہندوستان کا دستور اساسی طیار کرایا ہے اور اجتماعات، عرضداشتوں اور ہنگاموں کے ذریعہ اس عوامی زبان کے لئے حکومت سے ایک مقام حاصل کرنے کی کوشش کیجائے۔ لیکن خوبیِ وقت اور گرد و پیش کے تقاضوں سے مجبور ہو کر اگر آپ ان تاثرات کو دہرانا چاہتے ہیں جو بار بار دہرائے جا چکے ہیں اور ان حقیقتوں کو پھر بے نقاب کرنا چاہتے ہیں۔ جو بار بار منظر عام پر آ چکی ہیں تو مجھے آپ کے حکم کی تعمیل میں کوئی مضائقہ نہیں۔

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق   سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

محترم حضرات!

ایک ایسے اجتماع میں جس میں بڑے بڑے ادیب اہل علم اور اہل رائے حضرات شریک ہوں یہ بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اُردو زبان اسی ملک کی پیداوار ہے جسے اب بھارت کہا جاتا ہے۔ انگریزوں سے پہلے اس ملک میں آرین۔ یونانی عرب۔ ترک اور افغان اپنی اپنی زبانوں کے ساتھ آ چکے ہیں۔ آرین قوم سنسکرت زبان اپنے ساتھ لائی لیکن جو زبانیں

اُس وقت ملک میں رائج تھیں وہ قائم رہیں۔ اس لئے سنسکرت زبان نے خارجی اثر کو قبول نہیں کیا اور یہ زبان مقدس بنکر مذہبی رہنماؤں کے سینوں میں چھپی رہی۔ یہاں تک کہ مہاتما بودھ کا زمانہ آگیا اور انھوں نے اس ملک کے قدیم باشندوں کی زبانوں کو اپنایا اور اپنا پیغام مختلف زبانوں میں جو یہاں رائج تھیں عوام تک پہونچایا۔ مسلمان اپنے ساتھ عربی اور فارسی لائے۔ عربی مقدس بنکر صرف مذہبی پیشواؤں تک محدود رہی۔ فارسی آگے بڑھی لیکن دربار اور سرکاری دفاتر تک محدود ہو کر رہ گئی۔ ملک میں مختلف زبانیں ماضی کی طرح عوام میں رائج رہیں۔ ان زبانوں میں کھڑی بولی کو جو شمالی ہندوستان میں خاص طور پر بولی جاتی تھی مخصوص حیثیت حاصل تھی۔ عوام اور خواص کے میل جول سے اسی کھڑی بولی نے ایک نئی زبان کو جنم دیا جو پہلے ریختہ کے نام سے اور بعدہٗ اُردو زبان کے نام سے موسوم ہوئی۔ اُردو کی پیدائش ایک عوامی ضرورت کی مرہون منت ہے اور جب پیدا ہوئی تو اُسے پھولوں کی سیج نصیب نہیں ہوئی اُسے چاندی کی کٹوری میں چاندی کے چمچوں سے دودھ نہیں پلایا گیا۔ اُسے گلیوں کی خاک چھاننا پڑی اور عوام الناس کی گود میں وہ پروان چڑھی۔ ہندوستان کے عام باشندے مقامی بولیوں ٹھولیوں سے کام نکالتے تھے۔ گنگا اور جمنا کے کنارے بسنے والوں کی کوئی مشترکہ زبان نہ تھی اور اسی ضرورت اُردو زبان نے پورا کیا۔

ہندوستان کی حکومت کی باگ ڈور جب انگریزوں کے ہاتھ آئی تو انھوں نے زبان اور ہندوستان کے ہر مسئلہ کو ایک نئے زاویہ نظر سے دیکھا۔ فارسی۔ سنسکرت۔ عربی اگرچہ وسیع زبانیں تھیں لیکن تجارتی کاروبار اور اُمور سلطنت میں انکا استعمال مشکل تھا۔ اُردو زبان جو خاص و عام کی زبانوں سے ملکر بنی تھی اور جو ہندو مسلمانوں اور سکھوں میں مقبول تھی اس کو ۱۸۳۷ء میں ایکٹ ۲۹ کے ماتحت فارسی زبان کو ہٹا کر سرکاری زبان کی حیثیت دی گئی اور اس زبان نے ہندوستان کے گوشے گوشے میں ہمہ گیر حیثیت اختیار کرلی۔ صدیوں کی غیر معمولی تراش و خراش کے بعد یہ ایک ایسی فصیح و بلیغ لطیف و شیریں علمی اور ادبی زبان بن گئی اور آج خاص و عام کی زبان ہے جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے یہ وہ زبان ہے جس کا دکھن میں سنورا ہوا۔ یوپی میں پروان چڑھایا گیا۔ دہلی اور لکھنؤ کی محفلوں میں اس کی جوانی پر نکھار آیا۔ میر اور غالب۔ مومن اور آتش۔ انیس اور دبیر داغ اور اقبال نے جہاں اسکے گیسو سنوارے وہاں دیا شنکر نسیم اور چکبست رتن ناتھ سرشار اور مہاراج بہادر برق نوبت رائے نظر اور درگا سہائے سرور۔ حسرت موہانی اور کرشن سہائے وحشی۔ رگھوپت سہائے فراق اور تلوک چند محروم نے اس کو اپنے خون سے سینچا اور آج اس زبان کا بیش بہا سرمایہ بھارت کے طول و عرض میں زبانی اور تحریری شکل میں محفوظ ہے اور رہتی دنیا تک اپنی چمک

ودمک سے چپہ چپہ کو جگمگاتا رہے گا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ گذشتہ سے پیوستہ سال یوم اقبال کے مشاعرے میں ایک مختصر سی تقریر کرتے ہوئے پروفیسر رگھوپت سہائے فراق گورکھپوری نے ایک لطیف انداز میں بجا طور پر یہ فرمایا تھا کہ اُردو زبان اور ادب نے ہندوستان کو ایک ایسا بیش بہا سرمایہ دیا ہے جو تاج محل سے کہیں زیادہ بیش قیمت ہے۔

معزز حاضرین!

میں یہ سوال کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ کیا یہ کوئی عقل کی بات ہوگی کہ ہم اپنے وطن کا بیش بہا سرمایہ جو اُردو زبان میں محفوظ ہے اس کو غیر ملکی کہکر دستبردار ہو جائیں؟ جو حضرات کہ اس زبان کو غیر ملکی کہتے ہیں وہ یہ نہ بتا سکیں گے کہ دنیا میں کون وہ ملک ہے جس کی زبان اُردو ہے جس کی وجہ سے اُردو کو غیر ملکی کہا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے بقول وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کہ اُردو ہندوستان اور صرف ہندوستان کی زبان ہے اور کسی دوسرے ملک سے نہیں آئی۔ آج کی دُنیا میں ہوشیار قومیں دوسروں کی کارآمد چیزیں اپنایا کرتی ہیں حالانکہ وہ واقعی بدیشی ہوتی ہیں۔ ہم نے مغرب سے آئی ہوئی زبان اور بدیشی سرکار کے بنائے ہوئے قوانین اور تجارتی اور جمہوری نظام کے بیشتر نظریات کو نہ صرف اپنایا بلکہ آزادی کے بعد ان کو برقرار بھی رکھا ہے کیونکہ ان کے بہت سے پہلوؤں سے جاذبیت نظر آئی۔

صدر جمہوریہ نے ملکہ الزبتھ کے خیر مقدم کے موقع پر جو تقریر فرمائی اگر اس کو نکتہ چیں حضرات ملاحظہ فرمائیں تو وہ ان کے شرمانے کے لئے کافی ہے۔ بھارت نے انگلستان کے جن اصولوں کو اپنایا ہے ان کا ذکر صدر جمہوریہ نے اپنی تقریر میں فخر کے ساتھ کیا ہے اور انگریزی زبان کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ نہ صرف انگریزی زبان اور ادب ہماری قومی زندگی کا ایک بیّن جُز ہے بلکہ انگریزی روایات اور خیالات بھی ہمارے خیالات میں رنگینی پیدا کرتے ہیں۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب بدیشی چیزیں اور بدیشی زبان اسطرح گلے سے لگائی جا سکتی ہیں تو اُردو زبان کے بارے میں جبکہ دستور نے اسکی امتیازی حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے کوئی منصف مزاج یہ کہنے کی کسطرح جرأت کر سکتا ہے کہ اس پر بدیشی زبان کا ٹیکا لگا کر ملک بدر کر دیا جائے اور اس طرح اپنا صدیوں سے جمع کیا ہوا سرمایہ کھو دیا جائے یا دوسروں کے سپرد کر دیا جائے۔

حضرات!

اُردو کو بدیشی زبان کہنے کے علاوہ نکتہ چینیوں نے اور بھی طرح طرح کی باتیں کہیں ہیں۔ کوئی اُسے صرف مسلمانوں کی زبان بتاتا ہے تو کوئی اس کو ایک اور زبان کی تحتی حیثیت دیتا ہے۔ ستم ظریفی کی انتہا اس وقت ہوگی جب کچھ وزیروں اور پڑھے لکھے حضرات تک نے اُسے زبان ہی ماننے سے انکار کر دیا تھا ان باتوں سے اپنا دل بہلایا جا سکتا ہے تحفہ کا مزہ بھی بدلا جا سکتا ہے خود کو دھوکہ بھی دیا جا سکتا ہے

لیکن حقیقت کو نہیں بدلا جاسکتا۔ ان حضرات سے کے جو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر ہیں اور اُردو کو زبان ہی ماننے سے انکار کرنے کی جرأت کرتے ہیں ان کے لئے میں صرف اتنا کہوں گا کہ ہندوستان کے دستور اساسی وحلف وفاداری لینے کے بعد کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اُردو زبان کو زبان ماننے سے انکار کرتا ہے تو وہ حلف کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس طرح تاریخی حقائق کو نظرانداز کرتا ہے اور آنجہانی سر تیج بہادر سپرو کے اس سرتاپا حقیقت اعلان سے اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے کہ اُردو زبان ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی اور مختلف مذاہب کے لوگوں کا ناقابل تقسیم مشترکہ سرمایہ ہے تو ہم صرف یہ کہیں گے کہ اس نے تعصب کی عینک لگا رکھی ہے

اگر میں یہ عرض کروں تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ اُردو زبان سے انکار کرنے والوں کا شمار ایسے ہی لوگوں میں کیا جاسکتا ہے جو آنکھ ہوتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتے زبان ہوتے ہوئے بولنا نہیں چاہتے اور دماغ ہوتے ہوئے سوچنے سے گریز کرتے ہیں جب عالم یہ ہو تو میں سوائے اس کے اور کیا کہوں:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

عاشق کی طرح زبان بھی کسی کی ذات نہیں اور نہ کوئی اس کا مذہب ہے۔ اُردو کا درخت ہندوستان کی سرزمین پر اُگا۔ اس کی جڑ ہندوستان ہی کی زمین میں پیوست ہوئی، لیکن اسکا سایہ نہ صرف ہندوستان پر بلکہ اس کے باہر بھی اور دوسری زمینوں پر پھیلا۔ ہندوستان کی چودہ تسلیم شدہ قومی زبانوں میں یہ امتیاز صرف اُردو کو حاصل ہے۔ اس اعتبار سے اُردو کی حیثیت ہندوستان کی اُن بیدا واروں میں ہے جو امریکہ سے ڈالر چاہے نہ خرید سکتی ہوں لیکن ہمسایہ ملکوں کی دوستی یقیناً خرید سکتی ہیں۔

سامعین گرامی!

ہم اردو لینڈ نہیں چاہتے، ہم اُردو اسٹیٹ کے قیام کی مانگ نہیں کرتے، ہم اردو صوبہ کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں اور نہ کبھی اُردوستان کے قائم کرنے کا گمان کیا ہم تو اُردو کے لئے صرف وہی چاہتے ہیں جو اس کا حق ہے جو حق اسے ہندوستان کے دستور نے دیا ہے، جس حق کی ہندوستان کی تمام اہم سیاسی جماعتوں نے حمایت کی ہے اور جس حق کی صداقت ہمارے سیاسی رہنما بارہا تسلیم کر چکے ہیں مگر جو حق قرار واقعی اسے آج تک نہیں مل سکا ہے۔ ہمارا مطالبہ ایک جمہوری مطالبہ ہے ہمارے ملک میں جمہوری نظام قائم کیا گیا ہے۔ اگر یہ دلیل پیش کی جائے کہ اُردو کا مطالبہ کرنے والے اکثریت

میں نہیں اور اقلیت میں ہیں تو اس کے جواب میں میں یہ عرض کروں گا کہ ایک جمہوری نظام میں اقلیت کا اطمینان قصر جمہوریت کو مضبوط و مستحکم کرنیکے لئے ضروری ہے یہ اصول تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اقلیت کا اطمینان وہی ہے جسے اقلیت کہدے وہ نہیں جو اکثریت کا دعویٰ ہو یا جو حکومت کے اعلان کے ذریعہ کیا جائے ۔ اگر عمل حکومت کے اعلان کے مطابق نہیں تو حکومت قانون کے ذریعہ اپنے اعلان کی پابندی کرا سکتی ہے ۔ ہمارا یہی مطالبہ ہے جو موجودہ صورت اور حالات حاضرہ کے پیش نظر غیر واجب تصور نہیں کیا جاسکتا ۔

معزز حضرات!

آخر میں میں صرف یہ عرض کروں گا کہ کاروباری آدمی جہاں نرم بھی ہوتا ہے وہاں معاملات میں صاف گو بھی ہوتا ہے ہمارے لئے یہ وقت عمل کا ہے ۔ ملک کے گوشے گوشے سے اہل رائے اور اردو زبان کے دلدادہ پروانہ وار شرکت کے لئے اس کانفرنس میں تشریف لائے ہیں ۔ اس کانفرنس کو اس ریاست کے گورنر عالی جناب ڈاکٹر بی ۔ راما کرشنا راؤ کی افتتاحی شرکت کا اعزاز حاصل ہے ۔ ملک کے مشہور مفکر جناب پنڈت ہردے نرائن کنزرو صاحب جس کی صدارت فرمارہے ہیں اور ریاست اترپردیش کے وزیر اعلیٰ جناب سی ۔ بی گپتا صاحب بھی تشریف لاکر تقریر فرمائیں گے ۔ ایسی شکل میں ہمکو ایسے فیصلے کرنا ہیں ۔ جو اردو زبان کو اس کا صحیح مقام جو ملک کے دستور اساسی نے دیا ہے عملی طور پر دلا سکیں ۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے اترپردیش میں جہاں اردو پلی ۔ بڑھی ۔ اور جوان ہوئی وہاں اسکا ماتم کیا جائے اور اس پردیش میں اردو کو سرکاری حیثیت سے تسلیم نہ کیجائے ۔

ہندوستان کی اگلی مردم شماری سے چند روز قبل اس کانفرنس کا انعقاد اپنی خاص اہمیت رکھتا ہے ۔ پچھلی مردم شماری کے اعداد و شمار نہ صرف غلط ہیں بلکہ گمراہ کن بھی ہیں ۔ اندیشہ یہ ہے کہ کہیں اس غلطی کی تکرار نہ ہو جائے اور یہ کہنے کو نہ ہو کہ اردو بولنے والوں کی تعداد معتدبہ نہیں ہے ۔ انجمن ترقی اردو نے اس بات کا احساس کرکے ملک کے اردو دوست طبقہ کو اس موقع پر خبردار کیا کہ ہمیں اردو بولنے والوں کو صحیح اندراج کے لئے تیار کرنا چاہئے

حضرات گرامی!

میں نے آپ کا بہت وقت لے لیا آپ سب اردو کے حامی یہاں جمع ہوئے ہیں اور اس اجتماع کی غرض و غایت یہ ہے کہ ملک میں اردو کے چلن اور اس کے رواج کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے ۔ اور اردو کی ترقی کے لئے راہیں پیدا کی جائیں ۔

میں آپ کے اور صدر صاحب کے درمیان زیادہ دیر تک حائل رہنا نہیں چاہتا۔ البتہ اس موقع پر یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے عزت مآب گورنر صاحب شری بی۔ رام کرشنا راؤ کا شکریہ ادا کروں کہ انھوں نے تشریف لاکر ہماری عزت افزائی فرمائی اور وزیر اعلیٰ شری چندر بھان گپتا کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ دوسرے اجلاس میں وہ تشریف لائیں گے۔ اور آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ اپنا عزیز وقت دے کر اور سفر کی ساری صعوبتیں اور موسم کی سرد مہریوں کا مقابلہ کرکے اس کثیر تعداد میں یہاں جمع ہوئے ہیں۔ مجھے اس بات کا اچھی طرح احساس ہے کہ میں اپنی علالت کی وجہ سے اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں قاصر رہا ہوں اور اپنے معزز مہمانوں کے خیر مقدم اور ان کی مہمان نوازی کی ذمہ داریوں کو خاطر خواہ پورا نہیں کرسکا ہوں میں اپنی جانب سے اور مجلس استقبالیہ کے اراکین کی جانب سے جہاں ایک طرف تشریف آوری کے لئے شکر گزار ہوں وہاں اپنی فروگذاشت اور کمی کے لئے بھی معذرت خواہ ہوں۔ اُردو زبان کی محبت آپ کو کشاں کشاں اس سردی کے موسم میں کوسوں سے کھینچ لائی ہے اور سفر کی صعوبتوں کے ساتھ ساتھ آپ نے ہماری کوتاہیوں کی وجہ سے جو تکالیف اٹھائی ہیں وہ اس لئے اور بھی نظر انداز کرنے کے قابل ہیں کہ محبت کے سودے میں سود و زیاں کا حساب کتاب نہیں ہوتا۔ آخر میں میں اپنے رفقائے کار کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ جنھوں نے شبانہ روز کی محنت کے بعد آج ہمیں اس کا موقع عنایت کیا کہ ہم آپ کا اس شہر میں استقبال کرسکیں۔

میں ہوں آپ کا نیازمند

ایس۔ایم بشیر

پرنٹر
خواجہ عبدالوحید
انتظامی پریس کانپور